وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ)

اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی

ایمان اور کفر

ادارۃ المعارف کراچی

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ"

(ما)

اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی۔

ایمان اور کفر

قرآن کی روشنی میں

ایمان اور کفر کی حقیقت، اسلام اور مسلمان کی تعریف

اور متعلقہ مباحث کی تحقیق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

خصوصًا علی سیدنا محمد المصطفی ومن بھدیہ اھتدی

ایمان، اسلام، کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے ان پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں، اتنی ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر و ایمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا، جیسے ٹوپی، کرتہ، پاجامہ، جوتہ، مکان، میز، کرسی، لوٹا، گلاس وغیرہ، لیکن اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو تو بڑے سے بڑا ماہر چکرا جائے گا اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا اس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہو گئے ہوں۔

علمائے سلف، مفسرین، محدثین، فقہاء و متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف، پھر کفر کی تعریف اور اس کی اقسام پر طویل مباحث اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزن علوم اسلامیہ، سند العلماء، استاذ الاساتذہ سیدی واستاذی حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت محقق اور مفصل کتاب بنام "اِکفَـار

"المُلحِدین" تصنیف فرمائی ہے، جس کا سببِ تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں - اور یہی اس زمانہ کا کفرِ نفاق ہے - اس کو اسلام و ایمان سے ممتاز کرنا اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے، اور اس زمانہ میں علومِ قرآن و حدیث سے عام ناواقفیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہو گیا، ملحدین اور زنادقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں اور مسلم معاشرہ کا جزء بنے رہیں اور مسلمانوں کے مارِ آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کا شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے خواہ وہ عقائد و اعمال کچھ بھی رکھتا ہو، اور آج کل کے عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ "اسلام" کسی حقیقت یا عقیدہ و نظریہ کا نام نہیں بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، جس کا جی چاہے اپنے عقائد، اپنے خیالات، اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے "مسلمان" ہو سکتا ہے، اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے وہ محتاجِ بیان نہیں، اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گزر کر بعض خواص اہلِ علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

الف:- عام طور پر فقہاء و علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدۂ کفریہ کا قائل ہو مگر صاف طور پر نہیں بلکہ تاویل کے ساتھ قائل ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ و قول کو اختیار کرتا ہے تو کسی نہ کسی تاویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے، اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعیٔ اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو، حالانکہ نصوصِ قرآن و حدیث

اس کے خلاف شاہد ہیں، اس نے ضرورت تھی کہ فقہاء و متکلمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تاویل کے ساتھ کسی عقیدۂ کفریہ کا قائل ہونا موجب کفر نہیں۔

ب :۔ یہ مسئلہ بھی ایک صحیح و صریح حدیث سے ثابت اور علماء و فقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے، اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو بھی اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے پھر خواہ وہ اللہ اور رسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو اور توہین کرتا ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، اس لئے حضرۃ الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب ایسی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اول تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے، دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی اس رفعت علمی کی آئینہ دار ہے جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی، روز بروز استعداد علمی کے تناقص نے اکثر اہل علم کو بھی محروم کر دیا، اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اردو میں لکھ دیا جائے، بہت سے دوستوں نے احقر کو بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن تجھیم تقدیر و تقدیر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا، اب جبکہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا(۱) اور کفر و اسلام میں تلبیس کرنے والے پیمانے شکاری

---

(۱) اور منیر کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعریف کے متعلق سوالات کئے گئے۔ ۱۲ منہ

نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ مسلمانان پاکستان کے لئے پھر از سرِ نو معرکۂ بحث بن گیا، اس وقت ضرورت کا احساس دوچند ہوگیا، اور بنام خدا تعالیٰ زیرِ نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاذ محترم کے تمام مواد بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے مگر ترتیب و بیان سب اس ناکارہ کا ہے، اور استاذ محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی، اس کا احقر نے اضافہ کیا اور کسی خاص فرقے کے عقائد و خیالات کو مدار بحث بنائے بغیر اصولی اور فنی طور پر مسئلہ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی اور اب الحمدللہ یہ کتاب مسئلہ کفر و اسلام کی تمام تر ضروری مباحث پر حاوی اور ازالۂ شبہات کے لئے کافی ہوگئی ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق وھو بہ حقیق!

بناءِ پاکستان کے وقت مسئلہ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ و لسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر؟ پھر بناءِ پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہی، اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مختصر شذرہ لکھا گیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی، بمقام لاہور

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ

جنوری ۱۹۵۵ء

مقدمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جُدا کرنے والے اُصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی، ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات و عقائد اور معاشی و معاشرتی اُصول بھی ایک ہی تھے، سب ایک خدا کو ماننے والے اور اس کے احکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے اور ایک دوسرے سے دوری ہوتی گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اطراف پر حاوی ہوگئی تو معاشی اور معاشرتی اُصول میں فرق پڑا، بول چال میں اختلاف آیا، زبانیں مختلف ہوگئیں، اسی کے ساتھ عقائد و نظریات بھی متاثر ہوئے، خدا پرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کھل اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی اور قومیتوں کی جنگ شروع ہوگئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون و تناصر کی ضرورت پیش آئی تو مختلف گروہوں نے مختلف اُصول پر اپنے اعوان و انصار بنائے، شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اُصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں، پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں (ملل و نحل، شہرستانی ص ۲)، پھر کسی نے نسل و نسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کر کے دوسرے قبائل و انساب کے مقابلہ پر مجبور آمادہ کر دیا، کسی نے جغرافیائی اور وطنی و لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم

بنا لیا اور جو ان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے ان کو جداگانہ اور حریف قوم قرار دیا۔
کسی نے نظریات و عقائد کو قومیت کی بنیاد بنا کر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا اور
خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر اُمت
میں اپنے انبیاء بھیجے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۲۴:۳۵)

ترجمہ۔ ہر ایک اُمت میں (ہماری طرف سے) کوئی
ڈرانے والا ہو گزرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خود ساختہ اختلافات ختم کر کے پھر
ملت واحدہ بن جاؤ، مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو، نسلی، جغرافیائی
اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں
سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو، ان کو قومی تفرقہ کی بنیاد نہ بناؤ۔ جس کو
سمجھنے والوں نے مانا اور بدبختوں نے انکار و مقابلہ کی راہ اختیار کی، جس سے کفر و
اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیاء ﷺ بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی
پیغام لائے، اور سب سے زیادہ مؤثر طریقے پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو
نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کو آیاتِ قدرت اور نعمت کے لئے کہہ کر ان کا صحیح مقام
بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں، قومیت کی بنیادیں نہیں
ہیں، ملاحظہ ہوں ارشاداتِ قرآنیہ:۔

۱۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لِّلْعٰلِمِیْنَ۔ (۲۲:۳۰)

ترجمہ:- اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

۲:- وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اور ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔

اور دوسری طرف قدیم وحدت کو از سرِ نو قائم کرنے کی دعوت دی، آیت مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا:-

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی ... الخ (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ (۱:۴)

ترجمہ:- تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کے جوڑے کو۔

رسولِ کریم ﷺ نے اپنی آخری عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے دو بنیادی اصول قائم فرمائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:-

ایها الناس! ربکم واحد۔ لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر، الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللّٰہ

اتقاکم“

ترجمہ:- اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، عربی کو
عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اسی طرح کسی
گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں، مگر
تقویٰ کی وجہ سے۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے
نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوبجاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں جو ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی۔ اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اول:- قوموں کی تقسیم و تفریق کی جو غلط بنیادیں نسلی، لسانی اور وطنی اصول پر لوگوں نے بنائی تھیں، ان کو یکسر باطل قرار دیا، کیونکہ اگر ان بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کرلیا جائے تو اولاً تو یہ خلاف عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کرلئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جا سکتا، جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہو چکا ہے اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہو جائے، اسی طرح جو ایشیا میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی، وطنی، لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں، ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار میں ہے اور نہ کسی عقلمند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہچاننا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں۔ وہ اس

قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریق:- دعوت اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت کی تفریق کو اصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے، اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہو سکتے، بلاشبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے وہ ماننے والوں سے علیحدہ، دوسری ملت اور قوم قرار دیے جائیں گے، قرآن نے اسی اصول کی بناء پر فرمایا۔

خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ (۲:۶۴)

ترجمہ:- اس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

نیز ارشاد ہوا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

(۷۶:۳)

ترجمہ:- ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ بتادی، خواہ وہ شکرگزار بنے یا ناشکرا۔

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو "حزب اللہ" اور دوسرے کو "حزب الشیطان" کا لقب دیا۔

الغرض عقائد و نظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے، پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اصول صحیحہ اور عقائد حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکار خدا اور رسول جیسے عقائد باطلہ کے مفاسد اور ان کی دینوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کر کے خلق خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، جس کے ذریعہ ناعاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا جا سکتا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا اور عداوت و پیکار پر آمادہ ہو گئے، جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا پرست اہل حق اپنے نظریے کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور خدا کی مخلوق کو منکرین خدا کے حوالے کر دیں، یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آ کر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلا دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ غلط کار منکرین خدا و رسول اپنی روش سے باز آ جائیں، ان دونوں طریقوں میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں، اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں، اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے جب تک کہ منکرین خدا و رسول یا ہوش میں آ جائیں یا ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ اصول صحیحہ اور عقائد حقہ پر مبنی ہے، جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو، اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہو گئے وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے، یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہو گیا جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد عناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نامعقول اور ناقابل عمل نظریہ بنا رکھا تھا، چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرماگرمی کے وقت بھی مسلمانوں کی ہمیشہ اسی دو قومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے، مگر اس وقت یہ آواز دب گئی، اور بالآخر جنگ آزادی کی بیل اس وقت منڈھے چڑھی جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (نو میشن) نظریہ کی قائل ہو کر اور اسی کو بنیاد قرار دے کر میدان عمل میں اتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم اور ان کے رفقاءِ کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے، جنہوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی اور اس کے نتیجے میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خود مختار سلطنت بخشی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے، لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک ہی اصول، یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جس کا نام اسلام اور کفر ہے، دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے، واللہ الموفق والمعین۔

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، نہ ماننا نافرمانی کا، پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی "اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیز کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا" اس دنیا میں بغیر اس کے عادۃً ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتا دے، کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ، بھائی اور بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کر سکتا جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرزِ عمل سے اس کا اظہار نہ ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و وہم سے بالاتر ہے، اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کر سکتا ہے؟ یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجنے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے

رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے، اسی کا نام "اسلام" ہے اور اس کی ہدایت کو تسلیم نہ کرنے کا نام "کفر" ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے، اس لئے قرآن کریم نے اپنی سب سے پہلی سورۃ (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا، بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کردیا، مومن، کافر اور منافق، سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مومنین کی شان میں، اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں، اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے، لیکن منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا، چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے، اس لئے اس کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا، یہ پوری انیس آیتیں ہوگئیں، ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:-

۱- الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ. الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ، وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۱-۵)

ترجمہ:- یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔ وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں

اس وحی پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

۲:- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ.

(۲:۶،۷)

ترجمہ- بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بند لگا دیا اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

۳:- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (۲:۸)

ترجمہ- اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر، حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

"اَلْمُفْلِحُوْنَ" تک چار آیتوں میں مؤمنین کا بیان ہے، اور اس کے بعد "عَذَابٌ عَظِیْمٌ" تک کفار کا، اور اس کے بعد "وَمِنَ النَّاسِ" سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے، اور اس کے ضمن میں ایمان وکفر اور مؤمنین وکافر اور منافق کی تعریف بھی آگئی۔ ابتدائی چار آیتیں جو مؤمنین کے بارے میں آئی ہیں ان میں اوّلاً مؤمن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا، "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان

لاتے ہیں۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادیات مراد ہیں جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں، جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزان عدل وغیرہ۔
(تفسیر ابن کثیر، خازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ "بالغیب" لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر و غائب یکساں ہے، ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں جس کا حال اگلی آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ "وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ" یعنی جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمان اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمل تعریف کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ۔" یعنی وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے اور آپ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی، اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جزء جو اللہ پر ایمان لانا ہے، اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے، اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی تو وہاں ایمان باللہ کو صریح ان لفظوں میں ذکر بھی کر دیا گیا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ،
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ

تشریح (۲۸۵:۲)

عوام میں جو ایمان مجمل و مفصل مشہور ہیں یہ عام طور پر پڑھے جاتے ہیں، ایمان مجمل سورۂ بقرہ کی پہلی آیات سے، اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔

پہلی آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے ۱۔ اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ رسول اللہ ﷺ اور انبیاء سابقین کی سب وحیوں پر ایمان لانا۔ ۳۔ آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اصول ہیں، باقی سب فروع ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة" میں لکھا ہے:-

أصول الإيمان ثلاثة: الإيمان بالله، وبرسوله، وباليوم الآخرة، وما عداه فروع

ترجمہ:- اصل ایمان کے اصول تین ہیں: اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے رسول پر ایمان، اور قیامت پر ایمان۔ اس کے ما سوا سب فروع ہیں۔

اور ان اصول کو بھی کوئی اور مختصر کرنا چاہے تو صرف ایمان بالرسول میں سب اصول آجاتے ہیں، کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا، اور رسول پر ایمان ہو جائے تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے، کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام باتوں پر ایمان لانا مراد ہے جو رسول نے بتلائی ہیں، اور ظاہر ہے ان باتوں میں روز قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی بات ہے، اسی لئے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:-

هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه بالضرورة.

ترجمہ - ایمان رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کا
نام ہے، ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی
طور پر ہو جائے۔

فائدہ متعلقہ ختم نبوت

اس آیت میں ایمان اور مومن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ سلسلۂ نبوت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے، کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے، انبیاء بعد کا کوئی ذکر نہیں، ظاہر ہے کہ اگر آپؐ کے بعد بھی کسی قسم کا تشریعی نبی مبعوث ہونے والا ہوتا تو جس طرح انبیاء سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزو ایمان قرار دیا گیا اسی طرح انبیاء مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا، بلکہ ایک حیثیت سے انبیاء مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاء سابقین کے زیادہ ضروری تھا کیونکہ انبیاء سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آچکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریحات و توضیحات میں اس سے زیادہ آچکا ہے، اس کے متعلق امت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہو۔ کہ اس کے صفات و علامات سے امت واقف نہیں اور امت کو بلاواسطہ اس سے سابقہ پڑتا تھا، اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر امت کی نجات یا ہلاکت کا دارومدار ہوتا، ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف و رحیم نبی ﷺ کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیت اور صفات و علامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ و التباس کی گنجائش نہ رہتی، اور پھر امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے نہایت مہتم بالشان احکام مکرر سہ کرر قرآن و حدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اصولِ ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاءِ سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کو جزوِ ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا، اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کو یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا، پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں، جن میں آپ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے، بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس امر پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے، جو پہلے مبعوث ہو چکے ہیں، اور ان پر امت محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے، لہٰذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس امت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کر امت کے لئے مدارِ نجات نہیں بن سکتا، واللہ الموفق والمعین۔

مومن و کافر کی تعریف اور کفر کی اقسام

اس عنوان کا اگرچہ اجمالی خاکہ عنوانِ اول کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے، جس کا مبنیٰ وہی آیات ہیں جن کا ذکر عنوانِ اول میں آیا ہے، اور چونکہ اسلام و کفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

ایمان:- رسول اللہ ﷺ کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔

اسلام:- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار،

بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود ہو۔

کفر:- جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے، ان میں سے کسی امر کی تکذیب وانکار۔

مومن:- وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان:- وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرے، بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر:- وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کردے۔

اسلام و ایمان اور مسلم و مومن میں فرق

لغۃً "ایمان" تصدیق قلبی کا نام ہے، اور "اسلام" اطاعت و فرمانبرداری کا، ایمان کا محل قلب ہے، اور اسلام کا محل قلب اعضاء و جوارح ہیں، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کرلینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان و اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں، اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان و اسلام کے اختلاف کا ذکر بھی ہے، لیکن خود قرآن و حدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً

کوئی ایمان بدون اسلام کے یا اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں۔ اسی مضمون کو بعض اہلِ تحقیق نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان و اسلام کی مسافت تو ایک ہے، فرق مبدء اور منتہیٰ میں ہے، ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے، اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے، اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، یہی طرح ظاہری اقرار و اطاعت اگر تصدیقِ قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں۔ (افادہ الاستاذ العلامہ مولانا انور شاہ قدس سرہ)۔

اب جب ایمان و اسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہوگیا تو مؤمن و مسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہوگیا، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس میں امام غزالیؒ اور امام سبکیؒ کی یہی تحقیق لکھی ہے جو اوپر گزر چکی، امام سبکیؒ کے چند جملے یہ ہیں:-

الاسلام موضوع للانقیاد الظاهر مشروطا فیه الایمان، والایمان موضوع للتصدیق الباطن مشروطا فیه القول عند الامکان. (فتح الملہم ج:۱ ص:۱۵۰)

ترجمہ:- اسلام موضوع ہے ظاہری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے، مگر اس میں ایمان شرط ہے۔ اور ایمان موضوع ہے باطنی تصدیق کے لئے، مگر اس میں زبان سے کہنا بھی شرط ہے بوقتِ امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمامؒ شارحِ ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند و مشہور کتاب اور اس کی شرح "مسامرہ" میں امتِ محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

واتفق اهل الحق وهم فریقا الاشاعرة والحنفیة علی تلازم الایمان والاسلام بمعنی انه لا

ایمان یعتبر بلا اسلام، وعکسہ ای لا اسلام یعتبر بدون ایمان فلا ینفک احدھما عن الآخر۔
(ج ۳ ص ۱۸۹ طبع مصر)

ترجمہ:- اور اہل حق نے اتفاق کیا ہے اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں، کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں، یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں، اور نہ اس کا عکس، یعنی نہ اسلام بلا ایمان کے معتبر، پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوتِ قطعی

جو چیز آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے، اس کا ثبوت ''قطعی'' ہے: جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعداد رکعات اور رکوع و سجود وغیرہ کی کیفیات، اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات، حج اور اس کی بہت سی تفصیلات، آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر ہم تک ہر قرن، ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔

ثبوتِ بدیہی

جس کو عرف فقہاء اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورۃ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں میں اس درجہ ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا، اذان کا سنت ہونا، اور نبوت کا آنحضرت ﷺ پر ختم ہو جانا وغیرہ۔

ضروریاتِ دین

جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے بذریعۂ تواتر اس درجہ شہرت و بداہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو، ان کو فقہاء اور متکلمین کی اصطلاح میں "ضروریاتِ دین" کہا جاتا ہے۔

تنبیہ:- ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے، جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے، لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے، خواہ باقی سب چیزوں کو صدقِ دل سے قبول کرتا ہو، اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے۔ اور کفر کی بہت سی اقسام ہوگئی ہیں، جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورۂ بقرہ میں بیان کردی گئیں، ایک کفر ظاہر اور دوسرے کفر نفاق، باقی اقسام کی تفصیل دوسری کتب میں بیان کی جاتی ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

کفر اور کافر کی اقسام

اس رسالہ کا اصل موضوع بحث یہی مضمون ہے، جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔

مذکورہ صدر تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کفر، تکذیب رسول کا نام ہے، پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اقسام بن جاتی ہیں جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة" نیز اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں، اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ" الآیہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، نیز علم عقائد و کلام کی مستند کتب شرح مواقف، شرح مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے، ان اقسام تکذیب کا خلاصہ یہ ہے:-

۱- ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے، جیسے بت پرست، یہود اور نصاریٰ۔

۲- دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد آپؐ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے یعنی آپؐ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے اور بعض کی تکذیب کرے۔

۳- تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ

یہ آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل نہیں ہے، یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

۴:- چوتھی صورت یہ ہے کہ قول و فعل کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خود ساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر و تکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور اونچی شعائر اسلام کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے، خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تاویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاق علماء تکذیب میں داخل نہیں اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہہ سکتے، اور ظاہر ہے کہ ملحدین بھی کسی تاویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تشریح و توضیح زیادہ ضروری ہے تاکہ تاویل اور الحاد میں فرق معلوم ہو سکے اور معلوم ہو جائے کہ تاویل کے محل میں تاویل موجب کفر نہیں مگر الحاد و زندقہ کی تاویل بالاجماع موجب کفر ہے، اس لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر، زندقہ و الحاد

تکذیب کی چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں "الحاد" اور حدیث میں "الحاد" و "زندقہ" کے نام سے موسوم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا، أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۴۰:۴۱) الآية. عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "سيكون في هذه الامة مسخ الا وذلك في المكذبين بالقدر والزندقية." اخرجه الامام احمد في مسنده ج: ۲ ص: ۱۰۸، وقال في الخصائص: سنده صحيح، وفي منتخب كنز العمال

ج:٦ ص: ٥٠ مرفوعاً ما يفسرها۔"

ترجمہ:- جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں، کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: "عنقریب اس اُمت میں مسخ ہوگا، اور سن رکھو! کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا، اور زندیقین میں۔" اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور خصائص میں کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ اور منتخب کنز العمال میں مرفوعاً ایک روایت ہے جو اس کی تفسیر کرتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے: "باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردة" اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے مسوّیٰ شرح موطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے:-

وان اعترف به ظاهرًا ولكن يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو زنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق وما فيه من ذكر الجنة والنار حق، لكن المراد بالجنة الابتهاج الذي يحصل بسبب الملكات المحمودة، والمراد بالنار هي الندامة التي تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس في الخارج جنة ولا نار، فهو زنديق! (مسویٰ شرح موطا ج:۲ ص:۱۳۰)

ترجمہ:- اور اگر اقرار کرے اس کا ظاہری طور پر، لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں، ایسی تفسیر بیان کرے جو صحابہؓ اور تابعین اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہو، تو وہ زندیق ہے۔ مثلاً: یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور جو اس میں جنت دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و فرحت ہے جو اخلاقِ حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے، اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو اخلاقِ ذمیمہ کے سبب حاصل ہوتی ہے، ویسے کوئی نہ جنت ہے، نہ دوزخ، پس یہ شخص "زندیق" ہے!

تاویل اور تحریف میں فرق

ثم التاويل تاويلان، تاويل لا يخالف قاطعًا من الكتاب والسنة واتفاق الامة، وتاويل يصادم ما ثبت بقاطع فذلك الزندقة، فكل من انكر رؤية الله تعالى يوم القيامة، او انكر عذاب القبر وسوال المنكر والنكير، او انكر الصراط والحساب، سواء قال: لا اثق بهؤلاء الرواة، او قال: اثق بهم لكن الحديث مأوّل، ثم ذكر تاويلا فاسدًا لم يسمع من قبله، فهو الزنديق. او قال: ان النبي صلى الله عليه وسلم خاتم النبوة، ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمّى بعدهٗ احدٌ بالنبي، واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثًا من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصومًا من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجودةٌ في

الائمة بعده، فذلک الزندیق:

(از تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

ترجمہ:- پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تاویل تو وہ ہے جو کتاب و سنت اور اتفاقِ امت کی کسی قطعی بات کے مخالف نہیں، اور ایک تاویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکمِ قطعی کے مصادم ہو، پس یہ شکلِ ثانی "زندقہ" ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا منکر ہو قیامت کے روز یا عذابِ قبر کا منکر ہو، اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو، خواہ وہ یوں کہے کہ: "مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں!" اور یا یوں کہے کہ: "ان راویوں کا تو اعتبار ہے مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں"۔ اور یہ کہہ کر ایسی تاویل بیان کرے جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی، پس وہ "زندیق" ہے۔ یا یوں کہے کہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی شخص کا نام "نبی" رکھنا جائز نہیں، مگر نبوت کے معنی اور مصداق، یعنی انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف، کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو، اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے غلطی ہو تو وہ اس پر باقی رہے، تو یہ معنی اور مصداق آپ کے بعد ائمہ میں موجود ہیں" پس یہ شخص "زندیق" ہے!

تکذیبِ رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام "زندقہ" و "الحاد" ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبکہ سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا اور کسی شخص کے دل میں

چھپے ہوئے کفر و نفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا افعال ایسے سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں۔ زندقہ و الحاد اسی کی ایک مثال ہے، اور اسی لئے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیت: "فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ" (بقرہ) کے تحت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

المنافق في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم هو الزنديق اليوم۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۴۷ طبع مصر)

یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر و نفاق کتنا ہی چھپا ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے، اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے جس کو زندقہ کہتے ہیں۔

یعنی دعوائے اسلام اور شرائع اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا یا ضروریات دین میں تاویل باطل کرکے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ امت کے مسلم امام ہیں اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں، خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب "عسل مصفیٰ" میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفاً حرفاً سن کر تصدیق کی ہے، صفحہ ۱۶۴ پر مجددین اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے امام غزالی کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے) مسئلہ کفر و ایمان میں الحاد و زندقہ کی شدید ضرورت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب "التفرقة بين الاسلام والزندقة" تصنیف فرمائی، جس میں قرآن و سنت اور عقل و نقل سے واضح کر دیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ زنادقہ و ملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، بلکہ کسی مدعی اسلام کے کافر قرار

دینے میں جو احتیاط لازم ہے اس کے پیش نظر امام موصوف نے اس کتاب میں ایک
ذریں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے۔

فصل:- اعلم ان شرح ما یکفر به وما لا یکفر
به یستدعی تفصیلاً طویلاً یفتقر الی ذکر کل
المقالات والمذاهب وذکر شبهه کل واحد ودلیله
ووجه بعده عن الظاهر ووجه تاویله وذلک لا تحویه
مجلدات ولیس یتسع لشرح ذلک اوقاتی فاقنع الان
بوصیة وقانون. اما الوصیة فان تکف لسانک عن اهل
القبلة ما امکنک ما داموا قائلین لا اله الا الله محمد
رسول الله غیر مناقضین لها، والمناقضة تجویزهم
الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم بعذر او
غیر عذر فان التکفیر فیه خطر والسکوت لا خطر فیه.
واما القانون فهو ان تعلم ان النظریات قسمان، قسم
یتعلق باصول العقائد، وقسم یتعلق بالفروع، واصول
الایمان بالله وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع
واعلم ان الخطاء فی اصل الامامة وتعینها وشروطها
وما یتعلق بها لا یوجب شیء منه تکفیراً، فقد انکر ابن
کیسان اصل وجوب الامامة ولا یلزم تکفیره یلتفت
الی قوم یعظمون امر الامامة ویجعلون الایمان بالامام
مقروناً بالایمان بالله وبرسوله والی خصومهم المکفرین
لهم بمجرد مذهبهم فی الامامة وکل ذلک اسراف اذ
لیس فی واحد من القولین تکذیب الرسول صلی الله

عليه وسلم اصلا) ومهما وجد التكذيب وجب التكفير وان كان في الفروع فلو قال قائل مثلا البيت الذى بمكة ليس هي الكعبة التي امر الله بحجها، فهذا كفر اذ ثبت تواترا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لذالك البيت بانه الكعبة، ينفعه انكاره بل يعلم قطعا انه معاند في انكاره (الا ان يكون قريب عهد بالاسلام ولم يتواتر عنده ذلك) وكذلك من نسب عائشة رضي الله عنها الي الفاحشة وقد نزل القرآن ببرائتها فهو كافر لان هذا وامثاله لا يمكن الا بتكذيب او انكار والتواتر ينكره الانسان بلسانه ولا يمكنه ان يجهله بقلبه. نعم لو انكر ما ثبت باخبار الاحاد فلا يلزمه به الكفر ولو انكر ما ثبت بالاجماع فهذا فيه نظر لان معرفة كون الاجماع حجة مختلف فيه فهذا حكم الفروع واما الاصول الثلثة فكل ما لم يحتمل التاويل في نفسه وتواتر نقله ولم تصور ان يقوم برهان على خلافه فخلافه تكذيب محض ومثاله ما ذكرناه من حشر الاجساد والجنة والنار واحاطة علم الله تعالى بتفاصيل الامور وما يتطرق اليه احتمال ولو بالمجاز البعيد فينظر فيه الي برهان فان كان قاطعا وجب القول به لكن ان كان في اظهاره مع العوام ضرر لقصور فهمهم فاظهاره بدعة وان لم يكن البرهان قاطعا يعلم ضرورة في الدين كنفي المعتزلة للروية عن الباري تعالى فهذا

بدعة وليس بكفر واما ما يظهر له ضرر فيقع في محل الاجتهاد والنظر فيحتمل ان يكفر ويحتمل ان لا يكفر

(ثم قال) ولا ينبغي ان تظن ان التكفير ونفيه ينبغي ان يدرك قطعا في كل مقام بل التكفير حكم شرعي يرجع الى اباحة المال وسفك الدم او الحكم بالخلود في النار فمأخذه كمأخذ سائر الاحكام الشرعية تارة يدرك بيقين وتارة بظن غالب وتارة يتردد فيه ومهما حصل التردد فالتوقف في التكفير اَولى والمبادرة الى التكفير انما يغلب على طباع من يغلب عليهم الجهل

ولا بد من التنبيه بقاعدة اخرى فهو ان المخالف قد يخالف نصًا متواترًا ويزعم انه مؤوّل ولكن تأويله لا انقداح له اصلا في اللسان لا على قرب ولا على بُعد فذلك كفر وصاحبه مكذب وان كان يزعم انه مؤول۔

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے لئے کہ کیا چیزیں موجب تکفیر ہیں اور کیا نہیں؟ بہت تفصیل طویل درکار ہے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے تمام مقالات و مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل، اور اس کی بعد کی وجہ ظاہر کرنے اور اس کی تاویل کی وجہ کی، اور یہ متعدد جلدوں میں بھی نہیں سما سکتا، اور نہ اس کی شرح کے لئے میرے وقت میں گنجائش ہے، اس لئے میں اس وقت ایک

قانون اور ایک وصیت پر ختم کرتا ہوں۔

وصیت :- سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہل قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو، جب تک وہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے قائل رہیں، اور اس سے مناقضہ نہ کریں: اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کسی حکم کے غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے، کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطۂ تکفیر - اور قانون یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو اصولی عقائد سے متعلق ہے، اور دوسری وہ ہے جو فروع سے متعلق ہے۔ اور ایمان کے اصول تین ہیں: اوّل - اللہ پر ایمان لانا، دوم: اس کے رسول پر بھی، سوم: - قیامت کے دن پر۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں فروع ہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ خطاء (غلطی) امامت کی اصل اور اس کے تعین اور اس کی شروط وغیرہ میں جیسا کہ روافض و خوارج میں پائی جاتی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی موجب تکفیر نہیں ہے، کیونکہ ابن کیسان نے امامت کے اصل وجوب ہی کا انکار کیا ہے، اور نہیں لازم ہے اس کی تکفیر، اور نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف جو امامت کے معاملہ کو عظیم سمجھتے ہیں اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا و رسول کے ساتھ ایمان لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا، جو ان کی تکفیر کرتے ہیں محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں، یہ

سب حد سے گزرتا ہے کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں
بھی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی، اور جس
جگہ تکذیب پائی جاتی ہے تو تکفیر ضروری ہوتی گرچہ وہ فروع ہی
میں ہو۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظمہ میں ہے، وہ
وہ کعبہ نہیں ہے جس کے حج کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو یہ کفر
ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ اس کے خلاف
ثابت ہے، اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے اور کہے کہ حضور ﷺ
نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی تو اس کا انکار
اس کو نافع نہ ہوگا، بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور
پر معلوم ہو جائے گا، بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور یہ
بات اس کے نزدیک ابھی حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔ اور اسی طرح جو
شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے،
حالانکہ قرآن مجید میں ان کی براءت نازل ہو چکی تو وہ بھی کافر
ہے، کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن
نہیں، اور تواتر کا کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کردے مگر یہ
ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے ناآشنا ہو۔ ہاں! البتہ اگر کسی
ایسے امر کا انکار کرے جو خبر واحد سے ثابت ہے تو اس سے کفر
لازم نہ آئے گا، اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو کہ اجماع
سے ثابت ہے تو اس میں ذرا تأمل کی ضرورت ہے، کیونکہ اجماع
کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، تو اس کا حکم فروع کا ہوگا، اور اصولی
علماء کے محقق یہ ہے کہ جو فی نفسہٖ تاویل کا محتمل نہیں اور اس کی
نقل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے

قائل ہونے کا تصور نہیں ہو سکتا سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب
ہے، اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہو چکی ہے یعنی حشر و نشر اور
جنت و دوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام امور کی تفصیلات پر محیط
ہونا، اور جو ان میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے،
اگرچہ مجاز بعید ہی کے طریقہ پر ہو تو اس میں دلیل کی طرف
دیکھا جائے گا، پس اگر دلیل قطعی ہو تب تو اس کا قائل ہونا
واجب ہے، لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو بوجہ
ان کے قصور فہم کے، تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے، اور اگر
دلیل قطعی نہ ہو جیسے معتزلہ کا رویت باری سے انکار کرنا، پس یہ
بدعت ہے اور کفر نہیں ہے، اور وہ چیز جس کا ضرر دین پر ہو تو وہ
مقام اجتہاد میں واقع ہو جائے گی، پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ
سے تکفیر نہ کی جائے، اور ممکن ہے کہ تکفیر بھی کی جائے۔

(پھر آگے چل کر فرمایا ہے) اور یہ مناسب نہیں کہ تم
یہ خیال کرلو کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ
یقینی طور پر معلوم ہو جائے، بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکم شرعی
ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے اباحت مال اور خون کا ہدر ہونا یا
خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے، سو اس کا ماخذ بھی دوسرے احکام
شرعیہ کے ماخذ کی طرح ہے کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا
ہے، اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور
جب تردد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے، اور تکفیر میں جلدی
کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے جن پر جہل کا غلبہ ہے۔

اور ایک اور قاعدہ پر بھی تنبیہ کردینا ضروری ہے، وہ یہ

کہ مخالف کبھی کسی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ
وہ مؤول ہے، لیکن اس کی تاویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی
گنجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید، تو یہ کفر ہے اور ایسا
شخص مکذب ہے اگر چہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مؤول ہے۔"
آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تاویلات باطلہ کا بیان کر کے لکھا:۔

فامثال هذه المقالات تكذيبات عبر عنها
بالتاویلات.

ترجمہ:۔ پس اسی جیسی باتیں تکذیبات جن کا نام
تاویلات رکھ لیا گیا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہو گیا کہ قرآن
وحدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے ابتدائی مفہوم کو بدل دیں اور اُمت
کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے، ایسی تاویل بھی
تکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے، جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

ائمہ اسلام کی مزید شہادتیں

زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت، حضرات صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم کا وہ اجماع ہے جو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد، مانعین زکوٰۃ
کو "مرتد" قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر ہوا، حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ اور
تمام شعائر اسلام کے پابند تھے، صرف ایک حکم شرعی "زکوٰۃ" کا انکار کرنے سے
باجماع صحابہ "کافر" قرار دیئے گئے، حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:۔

وفیهم من الرکة عن شرائع الاسلام بقدر ما

ارتد عنه من شعائر الاسلام اذ كان السلف قد سموا
مانعي الزكوٰة مرتدين مع كونهم يصومون ويصلّون.
(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۹۱)

ترجمہ:- ان لوگوں میں شعائر اسلام سے مرتد ہونا پایا
جاتا ہے، کیونکہ ایک شعار اسلام (زکوٰۃ) کے منکر ہیں، کیونکہ
سلف نے ان کا نام "مرتدین" رکھا ہے، اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے
تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ اجماع ہے جو "مسیلمہ کذاب" کے
کفر وارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا، حالانکہ وہ اور اس کی پوری جماعت کلمہ
کی قائل، اور حسب تصریح تاریخ ابن جریر طبری ج ۳ ص ۲۴۴، اپنی اذانوں میں
"اشہد ان محمداً رسول اللہ" کی شہادت مناروں پر پکارنے والے اور نماز، روزہ کے
پابند تھے، مگر اس کے ساتھ وہ آیت "خاتم النبیین" اور حدیث "لا نبی بعدی" میں
قرآن وحدیث کی تصریحات اور اُمت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تاویلات کرکے
"مسیلمہ کذاب" کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باجماع واتفاق ان کو کافر قرار دیا اور ان سے جہاد کرنا
ضروری سمجھا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم الشان
لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا، مسیلمہ کذاب کے پیروؤں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان
مقابلہ پر آئے، معرکہ نہایت سخت ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر میں سے بارہ سو
حضرات شہید ہوئے اور مسیلمہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے اور خود
مسیلمہ بھی مارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور نہ کسی نے
یہ کہا کہ: "یہ لوگ کلمہ گو، اہل قبلہ ہیں، ان کو کیسے کافر کہا جائے؟" نہ کسی کو اس کی فکر

ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہو جائے گی، اسی لئے عام کتب عقائد میں اس مسئلہ کو "اجماعی مسئلہ" قرار دیا گیا ہے، "جوہرۃ التوحید" میں ہے:-

ومن لمعلوم ضروری جحد من دیننا یقتل کفرا لیس حد.

وقال شارحہ ان ھذا مجمع علیہ وذکر ان الماتریدیۃ یکفرون بعد ھذہ بانکار القطعی وان لم یکن ضروریا.

ترجمہ:- جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے اس کو بوجہ کافر ہو جانے کے قتل کیا جائے گا، بطور حد کے نہیں۔

اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر اُمت کا اجماع ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظ حدیث امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " اقامۃ الدلیل" میں اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:-

واجماعھم حجۃ قاطعۃ یجب اتباعھا بل ھی اوکد الحجج وھی مقدمۃ علی غیرھا.

(اقامۃ الدلیل ج:۳ ص:۱۳۰)

ترجمہ:- اور اُمت کا اجماع حجت قاطعہ ہے، جس کا اتباع واجب ہے، بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے، اور وہ غیر اجماع پر مقدم ہے۔

ائمہ اسلام، مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین سب کے سب اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ ضروریات دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی

مسئلہ میں تاویلات باطلہ کرکے اس کو اس مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن و حدیث میں معروف ہے، اور جمہور اُمت وہی مفہوم سمجھتی آئی ہے، درحقیقت قرآن و حدیث اور عقائد اسلام کی تکذیب کرنا ہے، علم عقائد کی مشہور و مستند کتاب "مقاصد" میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:-

وان کان مع اعتراف بنبوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظهاره شعائر الاسلام یبطن عقائد هی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق۔

ترجمہ۔ اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ساتھ، اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو "زندیق" کے نام سے خاص کیا جاتا ہے۔

ردالمحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:-

فان الزندیق یموه بکفره ویروج عقیدته الفاسدة ویخرجها فی الصورة الصحیحة وهذا معنی ابطانه الکفر فلا ینافی اظهاره الدعوی الی الضلال۔

(ج۳، ص۲۹۶)

ترجمہ:- کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے، اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں، اور یہی معنی ہیں "ابطانِ کفر" کے، پس وہ "اظہار" (یعنی کھلم کھلا کفر) کے منافی نہیں، اور نہ گمراہی کی طرف دعوت دینے کے منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں اقسام

تکذیب وکفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے –

ولا شبهة ان الايمان مفهومه الشرعي المعتبر به في كتب الكلام والعقائد والتفسير والحديث هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة عما من شانه ذلك ليخرج الصبي والمجنون والحيوانات. والكفر عدم الايمان عما من شانه ذلك التصديق فمفهوم الكفر هو عدم تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة وهو بعينه ما ذكرنا من ان من انكر واحدا من ضروريات الدين اتصف بالكفر نعم عدم التصديق له مراتب اربع فيحصل للكفر ايضا اقسام اربعة. الاول كفر الجهل، وهو تكذيب النبي صلى الله عليه وسلم صريحا فيما علم مجيئه بعدم العلم (اى في زعمه الباطل) بكونه عليه السلام كاذبا في دعواه وهذا وهو كفر ابى جهل واضرابه. والثانى كفر الجحود والعناد. وهو تكذيبه مع العلم بكونه صادق في دعواه وهو كفر اهل الكتاب لقوله تعالى. "اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" وقوله تعالى: "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" وكفر ابليس من هذا القبيل. والثالث كفر الشك: كما كان لاكثر المنافقين والرابع كفر التاويل، وهو ان يحمل كلام النبي صلى الله عليه وسلم على غير محمله او على التقية ومراعاة المصالح ونحو

ذلك، ولما كان التوجه الى القبلة من خواص معنى الايمان سواء كان شاملة او غير شاملة عبروا عن اهل الايمان باهل القبلة، كما ورد في الحديث. "نهيت عن قتل المصلين" والمراد المؤمنين، مع ان نص القرآن على ان اهل القبلة هم المصدقون بالنبي صلى الله عليه وسلم في جميع ما علم مجيئه وهو قوله تعالى. وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۱، ص ۳۳)

ترجمہ - اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہوم شرعی جو کہ کتب کلام و عقائد و تفسیر و حدیث میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا ان تمام باتوں میں جن کا آپ سے منقول ہونا بدیہی طور معلوم ہے، یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل ہے یعنی بچے اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں، اور کفر اسی شخص کے عدم ایمان کو کہتے ہیں، پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔

اور وہ چیز وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے وہ صفت کفر کے ساتھ موصوف ہو جائے گا۔ ہاں! عدم تصدیق کے چار وجوہات ہیں۔ اس لئے کفر کے بھی چار اقسام نکلیں گے۔ اول کفر جہل اور وہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنا صریحاً ان چیزوں میں جن کو آپ لے کر آئے، یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے زعم باطل میں) کہ نبی ﷺ کاذب ہیں اپنے دعوے میں، اور

یہ ابوجہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفر جحود و عناد، اور وہ یہ کہ آپ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا، اور یہ اہل کتاب کا کفر ہے جیسے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' اور دوسری جگہ فرمایا کہ: ''ان لوگوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دل یقین ہیں، اور یہ انکار ظلم اور تعلّی و تکبّر کے سبب سے ہے۔'' اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں سے ہے۔
اور تیسرا کفر شک، جیسے کہ اکثر منافقین کا تھا۔ اور چوتھا کفر تاویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کلام کو اس کے غیر محل پر محمول کرے یا اس کو تقیہ پر اور مراعاۃ مصالح وغیرہ پر محمول کرے، اور چونکہ توجہ الی القبلۃ ایمان کا خاصہ ہے، خواہ خاصہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ، اس لئے اہل ایمان کو ''اہل قبلہ'' سے تعبیر کردیتے ہیں، جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کہ: ''مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے'' اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں۔
نیز نص قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہل قبلہ وہی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول: ''اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا، زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔'' خوب سمجھ لینا چاہئے!
حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''شفاء العلیل'' میں اکثر تاویلات باطلہ کے متعلق فرمایا۔

ما فی الشفاء العلیل للحافظ ابن القیم:

والتاویل الباطل یتضمن تعطیل ما جاء به الرسول والکذب علی المتکلم انه اراد ذلک المعنی فتضمن ابطال الحق وتحقیق الباطل ونسبة المتکلم الی ما لا یلیق به من التلبیس والالغاز مع القول علیه بلا علم انه اراد هذا المعنی فالمتأول علیه ان یبین صلاحیة اللفظ للمعنی الذی ذکره اولا واستعمال المتکلم له فی ذلک المعنی فی اکثر المواضع حتی اذا استعمله فیما یحتمل غیره یحمل علی ما عهد منه استعماله فیه وعلیه ان یقیم دلیلا سالما عن المعارض علی الموجب بصرف اللفظ عن ظاهره وحقیقته الی مجازه واستعارته والا کان ذلک مجرد دعوی منه فلا یقبل۔ (ص:۱۴۵)

ترجمہ:- حافظ ابن قیم کی شفاء العلیل میں ہے کہ: اور تاویل باطل متضمن ہے رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو معطل کرنے کو اور متکلم پر جھوٹ کو کہ اس نے یہ معنی مراد لئے ہیں لازم آئے گا اس سے ابطال حق اور باطل کا ثبوت، اور متکلم کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایان شان نہیں یعنی تلبیس اور معما کی باتیں کرنا، نیز اس پر یہ افترا بلا علم کہ اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے، پس تاویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے جو اس نے ذکر کئے ہیں اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے تاکہ جب متکلم اس کو ایسے کلام میں استعمال کرے جہاں دوسرا احتمال بھی

ہو تو وہ اسی معنی پر محمول ہو جس میں اس کا استعمال مروّج رہا ہے، اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو اس بات پر کہ جو موجب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا، ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا جو قابل قبول نہ ہوگا۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:-

ثم لو قدر انهم متأولون لم يكن تأويلهم سائغا بل تأويل الخوارج ومانعي الزكوة اوجه من تأويلهم واما الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ما خالفه من السنة لا يجوز العمل به واما مانعوا الزكوة فقد ذكروا انهم قالوا ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها لغيره فلم يكونوا يدفعونها لابي بكر ولا يخرجونها له. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۲۹۷)

ترجمہ- اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متاولین (یعنی تاویل کرنے والے) ہیں تو ان کی تاویل قابل قبول نہیں بلکہ خوارج اور مانعین زکوٰۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابل قبول تھی، کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباع قرآن کا اور سنت میں جو قرآن کے مخالف ہو اس پر ترک عمل اور عدمِ جواز کا، اور مانعین زکوٰۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا کہ: "آپ لیجے ان کے مالوں سے صدقہ" اور یہ خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو، لیکن ہم پر غیر نبی کی طرف زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، اس لئے وہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

وفی ص: ۱۸۵ وقد اتفق الصحابة والائمة بعدهم علی قتل مانعی الزکوٰة وان کانوا یصلون الخمس ویصومون شهر رمضان وهؤلاء لم یکن لهم شبهة سائغة فلهذا کانوا مرتدین وهم یقاتلون علی منعها وان اقروا بالوجوب کما امر الله.

ترجمہ:- اور ص:۱۸۵ میں ہے اور صحابہؓ نے اور ائمہؒ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا اگرچہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے، اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا، لہٰذا یہ مرتد تھے اور ان سے جہاد کیا جائے گا، اس کے روکنے پر اگرچہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

وقال من ص: ۶۹ بغیة المرتاد، وانما المقصد ههنا التنبیه علی ان عامة هذه التاویلات مقطوع ببطلانها وان الذی یتاوله او یسوغ تاویله فقد یقع فی الخطاء فی نظیره او فیه بل قد یکفر من تاویله.

ترجمہ - یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ان کی تاویل کو جائز رکھتا ہے وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اس میں خطاء میں پڑجاتا بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔

اور شرح جمع الجوامع میں ہے:-

جاحد المجمع علیه من الدین بالضرورة

کافر قطعاً۔

ترجمہ:- جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:-

والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر۔

(حاشیہ نمبر ۲ خیالی ص ۱۲۲)

ترجمہ - اور ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔

اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ نے "فتوحات مکیہ" میں فرمایا ہے:-

التاویل الفاسد کالکفر۔

(باب ۳۸۹ ج ۳ ص ۸۵)

ترجمہ:- تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیر یمانی رحمہ اللہ کی "ایثار الحق علی الخلق" صفحہ ۳۷۶ میں ہے:-

لان الکفر هو جحد الضروریات من الدین او تاویلها۔

ترجمہ:- کیونکہ کفر یہی ہے کہ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" میں ہے:-

وکذلک یقطع بتکفیر من کذب او انکر قاعدة من قواعد الشریعة وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل رسول الله صلی الله علیه وسلم ووقع

الاجماع المتصل عليه كمن انكر وجوب الصلوات الخمس او عدد ركعاتها وسجداتها ويقول انما اوجب الله علينا في الكتاب الصلوة على الجملة وكونها خمسا وعلى هذا الصفات والشروط لا اعلمه اذ لم يرد في القرآن نص جلي. (شفاء ص ۳۳۸)

ترجمہ:- اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا اس شخص کو جو جھٹلائے یا انکار کرے قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کا یا اس چیز کا جو نقل رسول اللہ ﷺ سے نقلِ متواتر کے ساتھ یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعت کے عدد یا سجدوں کا انکار کرے، اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی الجملہ واجب کی ہے، ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو نہیں مانتا، کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نص جلی نہیں ہے۔

اور شرح شفاء قاضی عیاض میں ہے:-

وكذلك انعقد اجماعهم على ان مخالفة السمع الضروري كفر وخروج عن الاسلام. (ص: ۱۲۱)

ترجمہ:- ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ یقینی روایات کی مخالفت کفر اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ:- یہاں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں بلکہ وہ تاویل جو ضروریات دین کے خلاف کی جائے وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور الحاد ہے، اور باجماع اُمت کفر ہے، اور اگر تاویل مطلقاً دفع کفر کے لئے کافی سمجھی جائے تو شیطان بھی کافر

نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تاویل پیش کر رہا ہے: "خلقتنی من نار و خلقته من طین"۔ اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے: "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی"۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو تاویل کسی نص صریح یا امر قطعی یا ضروریات دین کے مخالف ہو وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے۔ جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

جو لوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں، نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہیں، مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تاویلات باطلہ کر کے قطعیات کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں، ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گو اہل قبلہ ہیں، اور اہل قبلہ کی تکفیر باتفاق امت ممنوع ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہل قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت ﷺ کی دو حدیثیں ہیں، ایک وہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں علامات اسلام کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلّى صلوتنا واكل ذبيحتنا فهو مسلم الّا ان تروا كفرًا بواحًا عندكم من الله فيه برهان۔

ترجمہ - جو شخص لا الہ الا اللہ کی شہادت دے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، مگر یہ کہ دیکھو تم کفر صریح، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں دلیل ہو۔

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے، جس کا متن یہ ہے:-

عن انس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ثلاث من اصل الایمان: الکف عمن قال لا اله الا الله، ولا تکفره بذنب، ولا تخرجه من الاسلام بعمل. (الحدیث)

ترجمہ - حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تین چیزیں اصل ایمان ہیں: رکنا اس شخص سے جو لا الٰہ الا اللہ کہے، اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے سبب، اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

ان میں سے پہلی حدیث میں تو خود کلام پڑھنے والے ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجب کفر صریح اور ناقابل تاویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاق اہلسنت و جماعت، گناہ سے مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں، مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور کتنا ہی زیادہ ہو جائے ان کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا، نہ یہ کہ وہ قطعیات اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا رہے تب بھی اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔

یہیں زکوٰۃ اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کو کافر و مرتد قرار دے کر ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اہل قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا نماز پڑھ لے، اس کو کسی عقیدہ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ کلمہ گو یا اہل قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو

اسلام کے، جیسے عالم کا حدوث، اور حشر اجساد، اس طرح پر کہ
اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر ہو۔ مثلاً ایسا
اعتقاد ہو جو مقتضی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے
کو، اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو، یا حضور محمد ﷺ
کے انکار کو، یا آپ کی مذمت یا آپ کے استخفاف کو، اور ان
طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اس
سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی
حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، ہاں! اگر گناہ سے مراد کفر کے
ماسوا لیا جاوے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے
تو کلام مراد ہو سکتا ہے۔

نیز شرح مقاصد میں عدم تکفیر اہل قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال المبحث السابع في حكم مخالف الحق
من اهل القبلة ليس بكافر ما لم يخالف ما هو من
ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الأجساد.

قال الشارح: ومعناه ان الذين اتفقوا على ما هو
من ضروريات الاسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد
وما يشبه ذلك واختلفوا في اصول سواها كمسألة
الصفات وخلق الأفعال وعموم الارادة وقدم الكلام
وجواز الرؤية ونحو ذلك مما لا نزاع فيه ان الحق فيه
واحد هل يكفر المخالف للحق بذلك الاعتقاد وبالقول
به ام لا؟ فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظب طول
العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر

ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذلک وکذا بصدور شیء من موجبات الکفر عنہ۔ (شرح مقاصد ج ۵ ص ۲۲۸)

ترجمہ:۔ ساتواں بحث اس شخص کے حکم میں جو مخالف حق ہو، اہل قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں جب تک مخالفت نہ کرے کسی چیز کی ضروریات دین میں سے جیسے عالم کا حادث ہونا اور حشر و نشر۔

شارح فرماتے ہیں: اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جو لوگ ضروریات اسلام پر تو متفق ہیں جیسے حدوث عالم اور حشر وغیرہ، وراں کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں جیسے "مسئلہ صفات" اور "خلق افعال" اور "عموم ارادہ" اور "کلام اللہ کا قدیم ہونا" اور "رؤیت اللہ کا جواز" وغیرہ جن میں کوئی نزاع اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے تو کیا اس اعتقاد اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالف حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے، ایسے اہل قبلہ کی تکفیر میں جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ "قدم عالم" اور "نفی حشر" اور "نفی بالجزئیات" وغیرہ کا قائل ہو اور اسی طرح موجبات کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح فقہ اکبر میں ہے:۔

اعلم ان المراد باھل القبلۃ الذین اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد وعلم اللہ تعالی بالجزئیات وما اشبہ ذلک من

المسائل المهمات فمن واظب طول عمره علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفی الحشر او نفی علمه سبحانه وتعالی بالجزئیات لا یکون من اهل القبلة وان المراد باهل القبلة عند اهل السنّة انه لا یکفر مالم یوجد شیء من امارات الکفر ولم یصدر عنه شیء من موجباته.　　　　(شرح فقہ اکبر ص:۱۸۹)

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں، جیسے حدوث عالم اور حشر و نشر، اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ، پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات کا پابند ہونے کے باوجود قدم عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے، اور مراد اہل قبلہ سے اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک علامات کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجبات کفر میں سے کوئی بات صادر نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ کی "کشف الاصول" باب الاجماع ج۳ ص:۲۳۶ میں، نیز امام سیف الدین آمدی رحمہ اللہ کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں اور "غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی" میں ہے:-

ان غلا فیه (ای فی هواه) حتی وجب اکفاره به لا یعتبر خلافه ووفاقه ایضاً لعدم دخوله فی مسمی الأمة المشهود لها بالعصمة وان صلّی الی القبلة واعتقد نفسه مسلماً لان الأمة لیست عبارة عن المصلّین الی

القبلة بل عن المؤمنين وهو كافر وان كان لا يدري انه كافر۔ (غایۃ التحقیق)

ترجمہ:- اگر غلو کیا اپنی خواہشات نفسانیہ میں حتیٰ کہ واجب ہوگئی اس کی تکفیر اس کی وجہ سے، اجماع میں اس کے خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا، اور اگرچہ وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، کیونکہ "امت" قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ "مومنین" کا نام ہے، اور وہ کافر ہے، اگرچہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔

اور ردالمختار باب الامامۃ میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے بحوالہ شرح تحریر الاصول ابن ہمام لکھا ہے:-

لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الاسلام وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير۔

(شامی ج ۱ ص ۳۷۷)

ترجمہ:- جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔

اور البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:-

والحاصل ان المذهب عدم تكفير احد من المخالفين فيما ليس من الاصول المعلومة من الدين ضرورة۔ (البحر الرائق)

ترجمہ:- اور حاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین

میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، جو اصول دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح "نبراس" میں ہے:-

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين اي الامور التي علم ثبوتها في الشرع واشتهر فمن انكر شيئا من الضروريات كحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلوٰة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات وكذلك من باشر شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والإهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة ومعنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة۔

(نبراس ص:۵۷۳)

ترجمہ:- اہل قبلہ، متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہے، پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین میں سے جیسے حدوث عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور فرضیت نماز وروزہ تو وہ اہل قبلہ سے نہ ہوگا، اگرچہ وہ طاعات کا پابند ہو، اور اسی طرح وہ شخص بھی اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب

کرے کہ جس سے امر شرعی کا استہزاء اور اہانت ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی جائے یا امورِ خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور علم عقائد کی معروف و مستند کتاب مواقف میں ہے:۔

لا یکفر اھل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه به بالضرورة او المجمع علیه کاستحلال المحرمات. (مواقف ص:۲۳۳)

ترجمہ:۔ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے جس پر اجماع ہو چکا ہے جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے:۔

ولا یخفی ان المراد بقول علمائنا: "لا یجوز تکفیر اهل القبلة بذنب" لیس مجرد التوجه الی القبلة فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبریل غلط فی الوحی فان الله تعالٰی ارسله الی علیؓ وبعضهم قالوا انه اله، وان صلّوا الی القبلة لیسوا بمؤمنین وهذا هو المراد بقوله صلی الله علیه وسلم: من صلّٰی صلٰوتنا واکل ذبیحتنا فذالک مسلم. (شرح فقہ اکبر)

ترجمہ:۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ: "اہل قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں" محض قبلہ کی طرف رخ کر لینے کی نہیں، کیونکہ بعض متشدد روافض

ایسے ہیں جو مدعی ہیں کہ جبریل نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تھا، اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ معبود ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر مومن نہیں، اور یہی مراد ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی: جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہی مسلم ہے۔

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:-

فلا نکفر اهل القبلة ما لم يات بما يوجب الكفر وهذا من قبيل قوله تعالى: "إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" مع ان الكفر غير مغفور. ومختار جمهور اهل السنة من الفقهاء والمتكلمين عدم اكفار اهل القبلة من المبتدعة المأولة في غير الضرورية لكون التاويل شبهة كما في خزانة الجرجاني والمحيط البرهاني واحكام الرازي واصول البزدوي ورواه الكرخي والحاكم الشهيد عن الامام ابي حنيفة والجرجاني عن الحسن بن زياد وشارح المواقف والمقاصد والآمدي عن الشافعي والاشعري لا مطلقا. (کلیات ابوالبقاء ص:۵۵۰)

ترجمہ:- پس ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے جب تک ان سے موجبات کفر کا صدور نہ ہو، اور یہ اسی طرح ہے جیسے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔" باوجود اس کے کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور اہل السنت کا فقہاء و متکلمین میں سے، بدعتی جو تاویلات کرتے

ہیں غیر ضروریات دین میں، ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ خزانہ جرجانی، اور محیط برہانی اور احکام رازی اور اصول بزدوی میں ہے، اور یہی روایت کیا ہے کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہ سے اور جرجانی نے حسن بن زیاد سے اور شارح مواقف اور شارح مقاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔

اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے۔

اذ لا نكفر احدا من اهل القبلة الا بانكار قطعي من الشريعة. (ص ۱۴۳)

ترجمہ:- ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر بسبب انکار کے کسی قطعی حکم شرعی کا۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:-

وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریات دینیہ نمایند، ورد متواترات احکام شرعیہ نکنند وقبول ما علم مجیئہ من الدین بالضرورۃ نکنند۔

(مکتوبات ج ۲ ص ۳۸)

ترجمہ:- اور چونکہ یہ فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ یہ ضروریات دین کا انکار اور متواترات احکام شرعیہ کا رد نہ کریں اور ضروریات دین کو قبول نہ کریں۔

عقائد عضدیہ میں ہے -

لا نكفر احدا من اهل القبلة الا بما فيه نفي الصانع المختار او بما فيه شرك او انكار النبوة وانكار

ما علم من الدين بالضرورۃ او انکار مجمع علیہ واما غیر ذلک فالقائل مبتدع ولیس بکافر۔

ترجمہ۔ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں گے مگر اس سبب سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو، اور یا جس میں شرک ہو یا انکار نبوت ہو یا ضروریات دین کا انکار ہو یا کسی مجمع علیہ امر کا انکار ہو، اور اس کے سوا جن کا قائل مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط!

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو "اہل قبلہ" نہیں کہتے، یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صرف ان لوگوں کے حق میں بولا جاتا ہے جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں، جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر قرار دینا پڑے گا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور نماز، روزہ بھی ادا کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں مگر اسلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے کسی حکم کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے، اور ایک زمانہ سے یہ خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے کہ حقائق دین سے ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنایا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار دیتے گئے، باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتب فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکہ لگا

جو کلمات کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں کلمۂ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمۂ کفر قرار دیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان کلمات کے کلمات کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیق مراد کے کافر کہہ دیا جائے، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی مراد وہی معنی و مفہوم ہیں جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنالیا، اور تکفیر بازی شروع کردی، جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں، اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے، جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہوکر رہ گئی ہے جو مدعیٔ اسلام درحقیقت کافر ہیں ان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ اس کو بھی واضح کردیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے، معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے، اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، مزید توضیح وتاکید کے لئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:-

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال:
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما اکفر رجلٌ رجلاً
الا باء احدھما بہ، ان کان کافرا والا کفر بتکفیرہ.
وفی روایۃ: فقد وجب الکفر علی احدھما.

(ترغیب وترہیب المنذر رداکفار ص:٥٠)

ترجمہ- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی
مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر وہ
شخص فی الواقع کافر تھا تب تو وہ کافر ہوا ہی، ورنہ یہ تکفیر کرنے
والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ: ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہو گیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے تو
کہنے والا کافر ہو جائے گا، لیکن کفر کی جو تعریف بحسب قرآن اوپر لکھی گئی ہے وہ بظاہر
اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط فہمی پر کافر کہہ دیا، کیونکہ نیا
کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے
اس کو محض تہدید وتخویف پر محمول کیا ہے، جیسے ترک صلوٰۃ پر "فقد کفر" کے الفاظ
بطور تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملحدین ص:١٥) اور

امام غزالی نے اپنی کتاب ایثار الحق علی الخلق ص ۴۲۴ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد و خیالات کفر ہیں تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے، قرآن کا ارشاد ہے:-

وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۔ (۵۵)

ترجمہ - اور جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں، بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا تو کہنے والا بالاتفاق کافر نہیں ہوگا کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے جب تک کہ اس کے عقیدۂ کفریہ یا کلمۂ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا، تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدۂ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو، مثلاً اس کو خیال ہوا کہ فلاں آدمی نے - معاذ اللہ - کسی نبی کی توہین کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا کہ وہ اس خیال کی تحقیق کرتا اور خلاف واقعہ پاکر بدگمانی سے باز آجاتا،

لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا۔ اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے جس میں سو احتمال ہیں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بنا سکتے ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے، بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کردے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذلك الوجه الا اذا صرح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه التاويل حينئذ.

ترجمہ:- جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں اور ایک وجہ مانع کفر ہو تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اسی ایک وجہ کی طرف مائل ہو مگر جبکہ متکلم اس وجہ کی تصریح کردے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ:- یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد و اقوال میں ایک عقیدہ و قول بھی ایمان کا ہو تو اس کو مؤمن سمجھو کیونکہ اگر یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتی کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا، کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضروریات ایمان کے موافق ہوتا

ہے، بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت، عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدۂ کفریہ سے نکل جاتا ہے اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدۂ کفریہ ٹھہراتے ہیں تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مومن ہی قرار دے، بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے، خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقۃً کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا ان کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل سے بن سکتے ہوں، کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و عمل کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے، ٹھیک اسی طرح کسی حقیقی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو تو باجماع کفر ہے، ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی تفاوت نہیں بلکہ پوری

ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلم عظیم ہے، کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامت نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سب پر اثر پڑتا ہے، اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسب تقریر مذکور اصطلاح شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائد کفریہ رکھتا ہے یا ضروریات دین میں تاویل باطل کرکے احکام دین کی تحریف کرتا ہے، اس کا معاملہ نہایت خطرناک مزلۃ الاقدام ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کرسکتی ہے اور ایک دشمن اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مار آستین بھی بنا سکتی ہے، اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب و نتائج نہایت دور رس ہیں۔

فوائد ضروریہ

منقول از رسالہ وصول الافکار

اہل زمانہ کی افراط و تفریط اور کفر و اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی دیکھ کر آج سے تیس سال پہلے ۱۳۵۱ھ میں احقر نے ایک سوال کے جواب میں مفصل مقالہ لکھا تھا، جو بنام "وصول الافکار الی اصول الاکفار" شائع بھی ہو چکا ہے، اس جگہ بھی اس کا خلاصہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے:-

حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا کسی کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے، قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید تنبیہ فرمائی ہے، مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ، کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (۹۴:۴)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ: "تو مسلمان نہیں!" کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں، یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ "تم مسلمان نہیں!" تو تم کیا کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔

اسی طرح اس کے مقابل یعنی کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:-

اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا۔ (۸۸:۴)

ترجمہ:- کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے؟ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر جلالین میں "اَنْ تَهْدُوْا" کی تفسیر یہ کی ہے: "ای تعدوھم من

جملة المهتدين" یعنی کفار کو اہل ہدایت شمار کرنا۔

سلف صالح، صحابہ و تابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں، حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار قرار سمجھا ہے اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تحفظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ قاریؒ نے شرح شفا فصل "تحقیق القول فی اکفار المتاولین" میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:-

ادخال کافر فی الملة الاسلامیة او اخراج مسلم عنها عظیم فی الدین. (شرح شفا ج ۲ ص: ۵۰۰)

ترجمہ:- کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا دونوں سخت چیزیں ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے، ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات سرزد ہوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا، ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے، ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے، انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے، اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہرحال مسلمان ہے، اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور

وسعت تو حصر سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اس کج روی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں، اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے وہ مسلمان ہے، اور جو اس قانون الٰہی کے کسی قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ بجز ترد و دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے، اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے، اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام رہنے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

سوال اوّل

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے؟ اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟

الجواب!

ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد، اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں، اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کرکے اسلام سے پھر جائے، جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے یا خدا وند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے، یا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کر دے۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیلِ مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے، لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکارِ قرآن مجید یا انکارِ رسالت کے مرادف و ہم معنی ہوں، مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نصِ صریح سے ہو یا آنحضرت ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو، یہ صورت بھی باجماعِ امت ارتداد میں داخل ہے گرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکامِ اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے جس کے اہم جز دو ہیں، ایک حق سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے اس کے رسول ﷺ پر، لیکن جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے بلکہ اس کی تمام صفاتِ کاملہ، علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں، ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے، یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تریسٹھ سال عمر ہوئی فلاں فلاں کام کئے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظِ ذیل بتلائی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (۶۵:۴)

ترجمہ: قسم ہے آپ کے رب کی! کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام تنازعات و اختلافات میں حَکَم نہ بنادیں اور پھر جو فیصلہ آپ

فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو پوری طرح تسلیم کریں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:۔

فقد روی عن الصادق رضی اللہ عنہ انہ قال:

لو ان قوما عبدوا اللہ تعالٰی واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشیء صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسھم لکانوا مشرکین ثم تلا ھذہ الاٰیۃ. (روح المعانی ج ۴ ص ۹۵)

ترجمہ:۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

اگر کوئی قوم اللہ تعالٰی کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، یوں کہے کہ: "آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟" اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا پس و پیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہوگئی، کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ

تعریف سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو سرے سے نہ مانے، بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حضور ﷺ کا حکم ہے) انکار کردیا جائے، اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

تنبیہ: ہاں! اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں، اول تو یہ کہ کفر و ارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جبکہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو کفر و ارتداد نہ کہا جائے گا، اگرچہ ساری عمر ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے، مگر اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا اگرچہ کسی وجہ سے ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر و مرتد قرار دیا جائے گا، مثلاً: ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے، اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے مگر کبھی نہیں پڑھتا اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہوگئی ہیں، تمام اقسام کا اس جگہ میں ایک حکم نہیں، کفر و ارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالۃ بھی، قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کرلینا محال سمجھا جائے (اسی کو اصطلاح میں ''تواتر'' اور

ایسی احادیث کو "احادیث متواترہ" کہتے ہیں)۔

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے یا حدیث متواتر سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم اور مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو، اس میں کسی قسم کی اُلجھن یا ابہام نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکامِ قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلّم پر موقوف نہ رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو ورثہ وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا، آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا، وغیرہ، تو ایسے احکامِ قطعیہ کو "ضروریاتِ دین" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف "قطعیات" کہلاتے ہیں ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار باجماعِ اُمت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچیں تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا، بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے، اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسايرة والمسامرة لابن الهمام

ولفظه واما ما ثبت قطعًا ولم يبلغ حد الضرورة

كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية بإجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده بأنهم لم يشترطوا في الإكفار سوى القطع في الثبوت (إلى قوله) ويجب حمله على ما إذا علم المنكر ثبوته قطعاً. (مسامرہ ص:۱۳۹)

ترجمہ - اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے، سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیلِ مذہب ہے، اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں، اور غرض معروف بدل جائے۔

ضابطۂ تکفیر

اس لئے تکفیرِ مسلم کے بارہ میں ضابطۂ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویلِ صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمۂ اجتہاد میں واقع ہو اس وقت تک

اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ (جلد سادس)

یہ کل بیان اس صورت میں تھا جبکہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدۂ کفریہ رکھنا یا اقوالِ کفریہ کا کہنا یقینی طریق سے ثابت ہو جائے لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شبہ ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے، جس کو بعینہ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو مسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے، اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے:۔

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا

آمنا باللہ وما انزل الینا۔ الآیۃ رواہ البخاری

ترجمہ:- نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ
یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر
نازل ہوئی الخ۔

دوسری فقہی نظیر احکامِ خنثیٰ کے ہیں:-

یؤخذ فیہ بالاحوط والاوثق فی امور الدین
وان لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوتہ واذا
وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء ویصلی
بقناع ویجلس فی صلوتہ جلوس المرأۃ ویکرہ لہ فی
حیاتہ لبس الحلی والحریر وان یخلوا بہ غیر محرم من
رجل او امرأۃ او یسافر مع غیر محرم من الرجال
والاناث ولا یغسلہ رجل ولا امرأۃ ویتیمم بالصعید
ویکفن کما یکفن الجاریۃ وامثالہ مما فصلہ الفقہاء۔

ترجمہ:- خنثیٰ مشکل کے بارہ میں امورِ دین میں وہ
صورت اختیار کی جاوے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے
ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو اور
جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور
عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو اور عورتوں کی طرح
دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں
بیٹھتی ہیں اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے اور
یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت
میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ

ہو، اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ تیمم کرا دیا جاوے اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے، اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

خلاصۂ رسالہ

مع جواب بعض شبہات

اس معاملہ میں سب سے پہلی بات قابل نظر یہ ہے کہ دائرۂ اسلام سے نکلنے یا کافر ہونے کے لئے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں، شیطان اکبر "ابلیس" نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنا دیا، اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے،

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۔۳۴) (اور تھا وہ کافروں میں سے)

قرن اول میں مانعین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے متبعین نے بھی ملت اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا، مگر باجماع صحابہ، اسلام سے خارج قرار دیئے گئے، وجہ یہ ہے کہ اگر تاویل کے ساتھ انکار کرنے کو، مطلقاً انکار و تکذیب سے خارج قرار دیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا، بلکہ "بت پرست" اور "یہود و نصاریٰ" سبھی کو مسلمان کہنا پڑے گا، کیونکہ شیطان ابلیس نے نہ کبھی خدا کا انکار کیا، نہ اس کی خدائی کا، نہ اس کی کسی صفت کا، بلکہ اس نے تو صرف غیراللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں "موحد اعظم" ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کو تکذیب حق کے حکم میں رکھ کر کفر عظیم قرار دیا، اسی طرح عام بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کی بھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم بتوں کو خود خدا نہیں مانتے بلکہ ان کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر رضاجوئی کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں، خود قرآن کریم نے بت پرستوں کی اس تاویل کو ذکر کر کے ناقابل

التفات قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳-۳۹)

ترجمہ:۔ ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے

ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں۔

اور کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ بت براہ راست خدا نہیں بلکہ خدا کی ملک ہیں، مگر غایت تقرب کی وجہ سے یہ بھی علم و قدرت وغیرہ میں خدا کے شریک ہیں، حدیث میں ہے کہ مشرکین عرب اپنے حج میں بطور تلبیہ کہا کرتے تھے:۔

لا شریک لک الا شریکا ھو لک۔

ترجمہ:۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ بجز اس کے جو تیری ہی

ملک سے ہے یعنی بت وغیرہ۔

الغرض بت پرست اور مشرکین بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی صریح مخالفت نہیں کرتے بلکہ تاویل کی راہ اختیار کرتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث نے ایسی تاویلات باطلہ کو تکذیب و انکار ہی کا مرادف قرار دے کر ان سب کو کافر ہی کہا ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کی تصریحات در بارۂ توحید "لاشریک لک" سے کسی فرد کے استثناء کی متحمل نہیں، اور "لا الٰہ الا اللہ" کا عموم اپنے ظاہری معنی پر بلا کسی تخصیص و استثناء کے امت اسلامیہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اسی طرح جو شخص آیت: "خاتم النبیین" یا حدیث "لا نبی بعدی" میں اُمت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی تخصیص و استثناء کی راہ نکالے کہ آپؐ خاتم الانبیاء تو ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا مگر بجز اس کے جو ظلی و بروزی طور پر خود آنحضرت ﷺ کا عین یا ظل ہو تو یہ درحقیقت مشرکین عرب کی اسی تاویل کا چربہ ہے جو وہ "الا شریک ھو لک" سے کیا کرتے تھے۔

اگر خاتم النبیین اور لا نبی بعدی میں تاویلات باطلہ کرنے والے کو

کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں، مذکورہ الصدر دلائل سے واضح ہو گیا کہ وہ کسی کو کافر بناتے نہیں، بلکہ جو خود اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں ان کا کافر ہونا مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تکذیب رسول کی یہ صورت، جس کا نام "زندقہ و الحاد" ہے، تکذیب و کفر کی بدترین اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر کفر سے زیادہ خطرناک ہے، "ابلیس" جیسا کافر اسی قسم تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوتی اس لئے بہت مسلمان بھی اس میں اکثر دھوکا کھاتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس کا مرتکب عام شعائر اسلام، نماز، روزہ، تلاوت اور قرآن وغیرہ کا پابند ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن، حدیث اور اجماع امت کی تصریحات سے اس کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، سو بحمد اللہ اس رسالہ میں اس کی مکمل تفصیل آگئی، جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کے قطعی و یقینی احکام کو بذریعہ تاویلات ان کے منصوص اور اجماعی مفہوم سے پھیر کر ان کے خلاف کسی مفہوم پر محمول کرنا، درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جو اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جو قبلے کی طرف منہ کرے، وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ شریعت اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کے عام شعائر، نماز وغیرہ مسلمانوں کی طرح ادا کرتے ہوں اور ان سے کوئی قول و فعل ایسا سرزد نہ ہو، جس سے رسول (ﷺ) کی تکذیب ہوتی ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حررہ العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ جنوری ۱۹۵۴ء